سُورَةُ الضُّحیٰ

۹۳

سید ابوالاعلیٰ مودودی

فہرست

نام

پہلے ہی لفظ وَالضُّحٰی کو اس سورہ کا نام قرار دیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول:

اس کا مضمون صاف بتا رہا ہے کہ یہ مکۂ معظمہ کے بالکل ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہے۔ روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کچھ مدت تک وحی کے نزول کا سلسلہ بند رہا تھا، جس سے حضور ﷺ سخت پریشان ہو گئے تھے اور بار بار آپ ﷺ کو یہ اندیشہ لاحق ہو رہا تھا کہ کہیں مجھ سے کوئی ایسا قصور تو نہیں ہو گیا جس کی وجہ سے میرا رب مجھ سے ناراض ہو گیا ہے اور اس نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔ اس پر آپ ﷺ کو اطمینان دلایا گیا کہ وحی کے نزول کا سلسلہ کسی ناراضی کی بنا پر نہیں روکا گیا تھا، بلکہ اس میں وہی مصلحت کارفرما تھی جو روزِ روشن کے بعد رات کا سکون طاری کرنے میں کارفرما ہوتی ہے۔ یعنی وحی کی تیز روشنی اگر آپ ﷺ پر برابر پڑتی رہتی تو آپ ﷺ کے اعصاب اسے برداشت نہ کر سکتے، اس لیے بیچ میں وقفہ دیا گیا، تاکہ آپ ﷺ کو سکون مل جائے۔ یہ کیفیت حضور ﷺ پر نبوت کے ابتدائی دور میں گزرتی تھی، جبکہ ابھی آپ ﷺ کو وحی کے نزول کی شدت برداشت کرنے کی عادت نہیں پڑی تھی، اس بنا پر بیچ بیچ میں وقفہ دینا ضروری ہوتا تھا۔ اس کی وضاحت سورۂ مدثر کے دیباچے میں کر چکے ہیں۔ سورۂ مزمل، حاشیہ 5 ہم یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ نزولِ وحی کا کس قدر شدید بار آپ ﷺ کے اعصاب پر پڑتا تھا۔ بعد میں جب حضور ﷺ کے اندر اس بار کو برداشت کرنے کا تحمل پیدا ہو گیا تو طویل وقفے دینے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

موضوع اور مضمون:

اس کا موضوع رسول اللہ ﷺ کو تسلی دینا ہے اور مقصد اُس پریشانی کو دور کرنا ہے جو نزولِ وحی کا سلسلہ رک جانے سے آپ ﷺ کو لاحق ہو گئی تھی۔ سب سے پہلے روزِ روشن اور سکونِ شب کی قسم کھا کر آپ کو اطمینان

دلایا گیاہے کہ آپ ﷺ کے رب نے آپ ﷺ کو ہر گز نہیں چھوڑاہے اور نہ وہ آپ ﷺ سے ناراض ہوا ہے۔اس کے بعد آپ ﷺ کو خوشخبری دی گئی ہے کہ دعوتِ اسلامی کے ابتدائی دور میں جن شدید مشکلات سے آپ ﷺ کو سابقہ پیش آرہاہے، یہ تھوڑے دنوں کی بات ہے۔ آپ ﷺ کے لیے ہر بعد کا دور پہلے دور سے بہتر ہوتا چلا جائے گا اور کچھ زیادہ دیر نہ گزرے گی کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ پر اپنی عطاو بخشش کی ایسی بارش کرے گا جس سے آپ ﷺ خوش ہو جائیں گے۔ یہ قرآن کی ان صریح پیشین گوئیوں میں سے ایک ہے جو بعد میں حرف بحرف پوری ہوئیں، حالانکہ جس وقت یہ پیشین گوئی کی گئی تھی اس وقت کہیں دور دور بھی اس کے آثار نظر نہ آتے تھے کہ مکہ میں جو بے یارو مددگار انسان پوری قوم کی جاہلیت کے مقابلے میں برسرِپیکار ہو گیاہے، اسے اتنی حیرت انگیز کامیابی نصیب ہو گی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ سے فرمایاہے کہ تمہیں یہ پریشانی کیسے لاحق ہو گئی کہ ہم نے تمہیں چھوڑدیاہے اور ہم تم سے ناراض ہوگئے ہیں۔ ہم تو تمہارے روزِ پیدائش سے مسلسل تم پر مہربانیاں کرتے چلے آرہے ہیں۔ تم یتیم پیدا ہوئے تھے، ہم نے تمہاری پرورش اور خبر گیری کا بہترین انتظام کر دیا۔ تم ناواقفِ راہ تھے، ہم نے تمہیں راستہ بتایا۔ تم نادار تھے، ہم نے تمہیں مالدار بنایا۔ یہ ساری باتیں صاف بتارہی ہیں کہ تم ابتدا سے ہمارے منظورِ نظر ہو اور ہمارا فضل وکرم مستقل طور پر تمہارے شاملِ حال ہے۔اس مقام پر سورۂ طٰہٰ ، آیات 37 تا 42 کو بھی نگاہ میں رکھا جائے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون جیسے جبار کے مقابلہ میں بھیجتے وقت اللہ تعالیٰ نے اُن کی پریشانی دور کرنے کے لیے انہیں بتایاہے کہ کس طرح تمہاری پیدائش کے وقت سے ہماری مہربانیاں تمہارے شاملِ حال رہی ہیں، اس لیے تم اطمینان رکھو کہ اس خوفناک مہم میں تم اکیلے نہ ہو گے بلکہ ہمارا فضل تمہارے ساتھ ہو گا۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو بتایاہے کہ جو احسانات ہم نے تم پر کیے ہیں، ان کے جواب میں خلقِ خدا کے ساتھ تمہارا کیابرتاؤ کیاہوناچاہیے، اور ہماری نعمتوں کا شکر تمہیں کس طرح ادا کرناچاہیے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

رکوع۱

وَ الضُّحٰی ۙ﴿۱﴾ وَ الَّیۡلِ اِذَا سَجٰی ۙ﴿۲﴾ مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَ مَا قَلٰی ؕ﴿۳﴾ وَ لَلۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لَّکَ مِنَ الۡاُوۡلٰی ؕ﴿۴﴾ وَ لَسَوۡفَ یُعۡطِیۡکَ رَبُّکَ فَتَرۡضٰی ؕ﴿۵﴾ اَلَمۡ یَجِدۡکَ یَتِیۡمًا فَاٰوٰی ۪﴿۶﴾ وَ وَجَدَکَ ضَآلًّا فَہَدٰی ۪﴿۷﴾ وَ وَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغۡنٰی ؕ﴿۸﴾ فَاَمَّا الۡیَتِیۡمَ فَلَا تَقۡہَرۡ ؕ﴿۹﴾ وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنۡہَرۡ ﴿ؕ۱۰﴾ وَ اَمَّا بِنِعۡمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثۡ ﴿۱۱﴾

رکوع ۱

اللہ کے نام سے جو رحمان ور حیم ہے۔

قسم ہے روزِ روشن کی 1 اور رات کی جبکہ وہ سکون کے ساتھ طاری ہو جائے 2 (اے نبیؐ!) تمہارے ربّ نے تم کو ہر گز نہیں چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا 3۔ اور یقیناً تمہارے لیے بعد کا دور پہلے دور سے بہتر ہے 4، اور عنقریب تمہارا ربّ تم کو اتنا دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے 5۔ کیا اُس نے تم کو یتیم نہیں پایا اور پھر ٹھکانا فراہم کیا 6؟ اور تمہیں ناواقفِ راہ پایا اور پھر ہدایت بخشی 7۔ اور تمہیں نادار پایا اور پھر مالدار کر دیا 8۔ لہٰذا یتیم پر سختی نہ کرو 9، اور سائل کو نہ جِھڑکو 10، اور اپنے ربّ کی نعمت کا اظہار کرو 11۔ ع

سورۃ الضحےٰ حاشیہ نمبر: 1 ▲

یہاں لفظ ضُحٰی رات کے مقابلے میں استعمال ہوا ہے، اس لیے اس سے مراد روز روشن ہے۔ اس کی نظیر سورہ اعراف کی یہ آیات ہیں: اَفَاَمِنَ اَهۡلُ الۡقُرٰٓى اَنۡ يَّاۡتِيَهُمۡ بَاۡسُنَا بَيَاتًا وَّ هُمۡ نَآٮِٕمُوۡنَ ۞ اَوَ اَمِنَ اَهۡلُ الۡقُرٰٓى اَنۡ يَّاۡتِيَهُمۡ بَاۡسُنَا ضُحًى وَّ هُمۡ يَلۡعَبُوۡنَ ۞ (97-98) "کیا بستیوں کے لوگ اس سے بے خوف ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب رات کو آ جائے، جبکہ وہ سو رہے ہوں؟ اور کیا بستیوں کے لوگ اس سے بے خوف ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن دہاڑے آ جائے، جبکہ وہ کھیل رہے ہوں؟" ان آیات میں بھی چونکہ ضُحٰی کا لفاظ رات کے مقابلہ میں استعمال ہوا ہے اس لیے اس سے مراد چاشت کا وقت نہیں بلکہ دن ہے۔

سورۃ الضحےٰ حاشیہ نمبر: 2 ▲

اصل میں رات کے لیے لفظ سَجٰی استعمال ہوا ہے، جس میں صرف تاریکی چھا جانے ہی کا نہیں بلکہ سکوت اور سکون طاری ہو جانے کا مفہوم بھی شامل ہے۔ رات کی اس صفت کا اس مضمون سے گہرا تعلق ہے جو آگے بیان ہو رہا ہے۔

سورۃ الضحےٰ حاشیہ نمبر: 3 ▲

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ مدت تک رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر وحی کا نزول بند رہا تھا۔ مختلف روایات میں یہ مدت مختلف بیان کی گئی ہے۔ ابن جُرَیج نے 12 روز، کلبی نے 15 روز، ابن عباسؓ نے 25 روز، سدی اور مقاتل نے 40 روز اس کی مدت بیان کی ہے۔ بہر حال یہ زمانہ اتنا طویل تھا کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بھی اس پر سخت غمگین ہو گئے تھے اور مخالفین بھی آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو طعنے دینے لگے تھے، کیونکہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر جو نئی سورت نازل ہوتی تھی اسے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم لوگوں کو سنایا کرتے تھے، اس لیے جب اچھی خاصی مدت تک آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کوئی نئی وحی لوگوں کو نہیں سنائی تو مخالفین نے سمجھ لیا کہ وہ سرچشمہ بند ہو گیا ہے جہاں سے یہ

کلام آتا تھا۔ جُندُب بن عبد اللہ البَجَلی کی روایت ہے کہ جب جبریلؑ کے آنے کا سلسلہ رک گیا تو مشرکین نے کہنا شروع کر دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کے رب نے چھوڑ دیا ہے۔ (ابن جریر، طبرانی، عبد بن حمید، سعید بن منصور، ابن مردویہ)۔ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو لہب کی بیوی ام جمیل نے، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چچی ہوتی تھی اور جس کا گھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان سے متصل تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: "معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے شیطان نے تمہیں چھوڑ دیا ہے۔" عوفی اور ابن جریر نے ابن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ کئی روز تک جبریلؑ کی آمد رک جانے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پریشان ہو گئے اور مشرکین کہنے لگے کہ ان کا رب ان سے ناراض ہو گیا ہے اور اس نے انہیں چھوڑ دیا ہے۔ قتادہ اور ضحّاک کی مرسل روایات میں سے بھی قریب قریب یہی مضمون بیان ہوا ہے۔ اس صورت حال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید رنج و غم کا حال بھی متعدد روایات میں آیا ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا، جبکہ محبوب کی طرف سے بظاہر عدم التفات، کفر و ایمان کے درمیان جنگ چھڑ جانے کے بعد اُسی ذریعہ طاقت سے بظاہر محرومی جو اس جاں گسل کشمکش کے منجدھار میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے واحد سہارا تھا، اور اس پر مزید دشمنوں کی شماتت، یہ ساری چیزیں مل جل کر لا محالہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سخت پریشانی کی موجب ہو رہی ہوں گی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بار بار یہ شبہ گزرتا ہو گا کہ کہیں مجھ سے کوئی ایسا قصور تو نہیں ہو گیا ہے کہ میرا رب مجھ سے ناراض ہو گیا ہو اور اس نے مجھے حق و باطل کی اِس لڑائی میں تنہا چھوڑ دیا ہو۔

اِسی کیفیت میں یہ سورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لیے نازل ہوئی۔ اس میں دن کی روشنی اور رات کے سکون کی قسم کھا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا کہ تمہارے رب نے نہ تمہیں چھوڑ دیا ہے اور نہ وہ تم سے ناراض ہوا ہے۔ اس بات پر ان دونوں چیزوں کی قسم جس مناسبت سے کھائی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ جس طرح دن کا روشن ہونا اور رات کا تاریکی اور سکون لیے ہوئے چھا جانا کچھ اس بنا پر نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ دن کے وقت لوگوں سے خوش اور رات کے وقت ان سے ناراض ہو جاتا ہے، بلکہ یہ دونوں حالتیں ایک عظیم حکمت و مصلحت کے تحت طاری ہوتی ہیں، اُسی طرح تم پر کبھی وحی بھیجنا اور کبھی اُس کو روک لینا بھی حکمت

و مصلحت کی بنا پر ہے اس کا کوئی تعلق اس بات سے نہیں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تم سے خوش ہو تو وحی بھیجے ،اور جب وہ وحی نہ بھیجے تو اس کے معنی یہ ہوں کہ وہ تم سے ناخوش ہے اور اس نے تمہیں چھوڑ دیا ہے۔ اس کے علاوہ دوسری مناسبت اس مضمون سے اس قسم کی یہ ہے کہ جس طرح دن کی روشنی اگر مسلسل آدمی پر طاری رہے تو وہ اسے تھکا دے ، اس لیے ایک وقتِ خاص تک دن کے روشن رہنے کے بعد رات کا آنا ضروری ہے تا کہ اس میں انسان کو سکون ملے ،اُسی طرح وحی کی روشنی اگر تم پر پے درپے پڑتی رہے تو تمہارے اعصاب اس کو برداشت نہ کر سکیں گے ،اس لیے وقتاً فوقتاً فترۃ (نزول وحی کا سلسلہ رک جانے)کا ایک زمانہ بھی اللہ تعالیٰ نے مصلحت کی بنا پر رکھا ہے ، تا کہ وحی کے نزول سے جو بار تم پر پڑتا ہے اس کے اثرات زائل ہو جائیں اور تمہیں سکون حاصل ہو جائے۔ گویا آفتابِ وحی کا طلوع بمنزلہ ٔروز روشن ہے اور زمانہ ٔفترۃ بمنزلہ ٔسکون شب۔

سورۃ الضحیٰ حاشیہ نمبر: 4 ▲

یہ خوشخبری اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو ایسی حالت میں دی تھی جبکہ چند مٹھی بھر آدمی آپ ﷺ کے ساتھ تھے ،ساری قوم آپ ﷺ کی مخالف تھی ،بظاہر کامیابی کے آثار دور دور کہیں نظر نہ آتے تھے ،اسلام کی شمع مکہ ہی میں ٹمٹما رہی تھی اور اسے بجھا دینے کے لیے ہر طرف طوفان اٹھ رہے تھے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا کہ ابتدائی دور کی مشکلات سے آپ ﷺ ذرا پریشان نہ ہوں۔ ہر بعد کا دور پہلے دور سے آپ ﷺ کے لیے بہتر ثابت ہو گا۔ آپ ﷺ کی قوت، آپ ﷺ کی عزت و شوکت اور آپ ﷺ کی قدر و منزلت برابر بڑھتی چلی جائے گی اور آپ ﷺ کا نفوذ و اثر پھیلتا چلا جائے گا۔ پھر یہ وعدہ صرف دنیا ہی تک محدود نہیں ہے، اس میں یہ وعدہ بھی شامل ہے کہ آخرت میں جو مرتبہ آپ ﷺ کو ملے گا وہ اس مرتبے سے بھی بدرجہا بڑھ کر ہو گا جو دنیا میں آپ ﷺ کو حاصل ہو گا۔ طبرانی نے اوسط میں اور بیہقی نے دلائل میں ابن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ”میرے سامنے وہ

تمام فتوحات پیش کی گئیں جو میرے بعد میری امت کو حاصل ہونے والی ہیں۔ اس پر مجھے بڑی خوشی ہوئی ۔تب اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نازل فرمایا کہ آخرت تمہارے لیے دنیا سے بھی بہتر ہے۔"

سورۃ الضحٰے حاشیہ نمبر: 5 ▲

یعنی اگرچہ دینے میں کچھ دیر تو لگے گی، لیکن وہ وقت دور نہیں ہے جب تم پر تمہارے رب کی عطا و بخشش کی وہ بارش ہوگی کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔ یہ وعدہ حضور ﷺ کی زندگی ہی میں اس طرح پورا ہوا کہ سارا ملکِ عرب جنوب کے سواحل سے لے کر شمال میں سلطنت روم کی شامی اور سلطنت فارس کی عراقی سرحدوں تک، اور مشرق میں خلیج فارس سے لیکر مغرب میں بحر احمر تک آپ ﷺ کے زیر نگین ہو گیا، عرب کی تاریخ میں پہلی مرتبہ یہ سرزمین ایک قانون اور ضابطہ کی تابع ہو گئی، جو طاقت بھی اس سے ٹکرائی وہ پاش پاش ہو کر رہ گئی، کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ سے وہ پورا ملک گونج اٹھا جس میں مشرکین اور اہل کتاب اپنے جھوٹے کلمے بلند رکھنے کے لیے آخری دم تک ایڑی چوٹی کا زور لگا چکے تھے، لوگوں کے صرف سر ہی اطاعت میں نہیں جھک گئے بلکہ ان کے دل بھی مسخر ہوگئے اور عقائد، اخلاق اور اعمال میں ایک انقلابِ عظیم برپا ہو گیا۔ پوری انسانی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی کہ ایک جاہلیت میں ڈوبی ہوئی قوم صرف 23 سال کے اندر اتنی بدل گئی ہو۔ اِس کے بعد حضور ﷺ کی برپا کی ہوئی تحریک اس طاقت کے ساتھ اٹھی کہ ایشیا، افریقہ اور یورپ کے ایک بڑے حصے پر وہ چھا گئی اور دنیا کے گوشے گوشے میں اس کے اثرات پھیل گئے۔ یہ کچھ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو دنیا میں دیا، اور آخرت میں جو کچھ دے گا اس کی عظمت کا تصور بھی کوئی نہیں کر سکتا۔ (نیز دیکھو جلد سوم، طٰہٰ حاشیہ 112)

سورۃ الضحٰے حاشیہ نمبر: 6 ▲

یعنی تمہیں چھوڑ دینے اور تم سے ناراض ہو جانے کا کیا سوال، ہم تو اُس وقت سے تم پر مہربان ہیں جب تم یتیم پیدا ہوئے تھے حضور ﷺ ابھی بطنِ مادر ہی میں چھ مہینے کے تھے جب آپ ﷺ کے والدِ ماجد کا انتقال ہو گیا۔ اس لیے آپ ﷺ دنیا میں یتیم ہی کی حیثیت سے تشریف لائے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ایک دن

بھی آپ ﷺ کو بے سہارانہ چھوڑا۔ چھ سال کی عمر تک والدہ ماجدہ آپ ﷺ کی پرورش کرتی رہیں۔ ان کی شفقت سے محروم ہوئے تو 8 سال کی عمر تک آپ ﷺ کے جدِ امجد نے آپ ﷺ کو اس طرح پالا کہ اِن کو نہ صرف آپ ﷺ سے غیر معمولی محبت تھی بلکہ اُن کو آپ ﷺ پر فخر تھا اور وہ لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ میرا یہ بیٹا ایک دن دنیا میں بڑا نام پیدا کرے گا۔ اُن کا بھی انتقال ہو گیا تو آپ ﷺ کے حقیقی چچا ابو طالب نے آپ ﷺ کی کفالت اپنے ذمے لی اور آپ ﷺ کے ساتھ ایسی محبت کا برتاؤ کیا کہ کوئی باپ بھی اُس سے زیادہ نہیں کر سکتا، حتیٰ کہ نبوت کے بعد جب ساری قوم آپ ﷺ کی دشمن ہو گئی تھی، اُس وقت دس سال تک وہی آپ ﷺ کی حمایت میں سینہ سپر رہے۔

سورۃ الضحےٰ حاشیہ نمبر: 7 ▲

اصل میں لفظ ضَآلًّا استعمال ہوا ہے، جو ضلالت سے ہے۔ عربی زبان میں یہ لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اُس کے ایک معنی گمراہی کے ہیں۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص راستہ نہ جانتا ہو اور ایک جگہ حیران کھڑا ہو کہ مختلف راستے جو سامنے ہیں ان میں سے کدھر جاؤں۔ ایک اور معنی کھوئے ہوئے کے ہیں، چنانچہ عربی محاورے میں کہتے ہیں: ضَلَّ الْمَآءُ فِي اللَّبَنِ، پانی دودھ میں گم ہو گیا۔ اُس درخت کو بھی عربی میں ضَآلَّه کہتے ہیں جو صحرا میں اکیلا کھڑا ہو اور آس پاس کوئی دوسرا درخت نہ ہو۔ ضائع ہونے کے لیے بھی ضلال کا لفظ بولا جاتا ہے، مثلاً کوئی چیز ناموافق اور ناساز گار حالات میں ضائع ہو رہی ہو۔ غفلت کے لیے بھی ضلال کا لفظ استعمال ہوتا ہے، چنانچہ قرآنِ مجید میں اس کی مثال موجود ہے کہ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴿٥٢﴾ (طٰہٰ۔52) "میرا رب نہ غافل ہوتا ہے نہ بھولتا ہے۔" ان مختلف معنوں میں سے پہلے معنی یہاں چسپاں نہیں ہوتے، کیونکہ بچپن سے قبلِ نبوت تک رسول اللہ ﷺ کے جو حالات تاریخ میں موجود ہیں، ان میں کہیں اِس بات کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا کہ آپ ﷺ کبھی بت پرستی، شرک یا دہریت میں مبتلا ہوئے ہوں، یا جاہلیت کے جو اعمال، رسوم اور طور طریقے آپ ﷺ کی قوم میں پائے

جاتے تھے اُن میں سے کسی میں آپ ﷺ ملوث ہوئے ہوں۔ اس لیے لا محالہ وَ وَجَدَكَ ضَآلًّا کے یہ معنی تو نہیں ہو سکتے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عقیدے یا عمل کے لحاظ سے گمراہ پایا تھا۔ البتہ باقی معنی کسی نہ کسی طور پر یہاں مراد ہو سکتے ہیں، بلکہ ہو سکتا ہے کہ ایک ایک اعتبار سے سب مراد ہوں۔ نبوت سے پہلے حضور ﷺ اللہ کی ہستی اور اُس کی وحدانیت کے قائل تو ضرور تھے، اور آپ ﷺ کی زندگی گناہوں سے پاک اور فضائلِ اخلاق سے آراستہ بھی تھی، لیکن آپ ﷺ کو دینِ حق اور اُس کے اصول اور احکام کا علم نہ تھا، جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے: مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِیْمَانُ (الشوریٰ، آیت 52) ”تم نہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور نہ ایمان کی تمہیں کوئی خبر تھی۔“ یہ معنی بھی اُس آیت کے ہو سکتے ہیں کہ حضور ﷺ ایک جاہلی معاشرے میں گم ہو کر رہ گئے تھے اور ایک ہادی و رہبر ہونے کی حیثیت سے آپ ﷺ کی شخصیت نبوت سے پہلے نمایاں نہیں ہو رہی تھی۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جاہلیت کے صحرا میں آپ ﷺ ایک اکیلے درخت کی حیثیت سے کھڑے تھے، جس میں پھل لانے اور ایک پورا باغ کا باغ پیدا کر دینے کی صلاحیت تھی مگر نبوت سے پہلے یہ صلاحیت کام نہیں آ رہی تھی۔ یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو غیر معمولی قوتیں آپ ﷺ کو عطا کی تھیں، وہ جاہلیت کے ناساز گار ماحول میں ضائع ہو رہی تھیں۔ ضلال کو غفلت کے معنی میں بھی لیا جا سکتا ہے، یعنی آپ ﷺ ان حقائق اور علوم سے غافل تھے جن سے نبوت کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو آگاہ فرمایا۔ یہ بات خود قرآن میں بھی ایک جگہ ارشاد ہوئی ہے: وَ اِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ ۝۳ (یوسف 3) ”اور اگرچہ تم اِس سے پہلے اِن باتوں سے غافل تھے۔“ (نیز ملاحظہ ہو البقرہ آیت 282، اور الشعراء آیت 20)

سورۃ الضحےٰ حاشیہ نمبر: 8 ▲

نبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے لیے آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے والد ماجد نے میراث میں صرف ایک اونٹنی اور ایک لونڈی چھوڑی تھی۔اس طرح آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی زندگی کی ابتدا افلاس کی حالت میں ہوئی تھی۔پھر ایک وقت آیا کہ قریش کی سب سے زیادہ مالدار خاتون، حضرت خدیجہؓ نے پہلے تجارت میں آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو اپنے ساتھ شریک کیا، اُس کے بعد انہوں نے آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے شادی کرلی اور ان کے تمام تجارتی کاروبار کو آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے سنبھال لیا۔اُس طرح آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نہ صرف یہ کہ مال دار ہوگئے، بلکہ آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی مالداری اِس نوعیت کی نہ تھی کہ محض بیوی کے مال پر آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا انحصار ہو۔ان کی تجارت کو فروغ دینے میں آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی اپنی محنت و قابلیت کا بڑا حصہ تھا۔

سورۃ الضحےٰ حاشیہ نمبر: 9 ▲

یعنی تم چونکہ خود یتیم رہ چکے ہو، اور اللہ نے تم پر یہ فضل فرمایا کہ یتیمی کی حالت میں بہترین طریقے سے تمہاری دستگیری کی، اُس لیے اُس کا شکرانہ یہ ہے کہ تمہارے ہاتھ سے کبھی کسی یتیم پر ظلم اور زیادتی نہ ہونے پائے۔

سورۃ الضحےٰ حاشیہ نمبر: 10 ▲

اُس کے دو معنی ہیں اگر سائل کو مدد مانگنے والے حاجت مند کے معنی میں لیا جائے،تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اُس کی مدد کرسکتے ہو تو کر دو،نہ کرسکتے ہو تو نرمی کے ساتھ معذرت کر دو، مگر بہر حال اُسے جھڑکو نہیں۔ اِس معنی کے لحاظ سے یہ ہدایت اللہ تعالیٰ کےِ اس احسان کے جواب میں ہے کہ ”تم نادار تھے، پھر اُس نے تمہیں مالدار کر دیا۔“ اور اگر سائل کو پوچھنے والے،یعنی دین کا کوئی مسئلہ یا حکم دریافت کرنے والے کے معنی میں لیا جائے،تو اُس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص خواہ کیسا ہی جاہل اور اجڈ ہو، اور بظاہر خواہ کتنے ہی نامعقول طریقے سے سوال کرے یا اپنے ذہن کی الجھن پیش کرے، بہر حال شفقت کے ساتھ اسے جواب دو اور علم کا زعم رکھنے والے بد مزاج لوگوں کی طرح اسے جھڑک کر دور نہ بھگادو۔اِس معنی کے لحاظ سے یہ ارشاد اللہ تعالیٰ کے اِس احسان کے جواب میں ہے کہ ”تم ناواقف راہ تھے، پھر اُس نے تمہیں

ہدایت بخشی۔" حضرت ابو الدرداؓ، حسن بصریؒ، سفیان ثوریؒ اور بعض دوسرے بزرگوں نے اِسی دوسرے معنی کو ترجیح دی ہے ، کیونکہ ترتیبِ کلام کے لحاظ سے یہ ارشاد وَ وَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى کے جواب میں آتا ہے۔

سورۃ الضحٰے حاشیہ نمبر: 11 ▲

نعمت کا لفظ عام ہے، جس سے مراد وہ نعمتیں بھی ہیں جو اُس سورہ کے نزول کے وقت تک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولِ پاک کو عطا فرمائی تھیں، اور وہ نعمتیں بھی جو بعد میں اُس نے اپنے اُن وعدوں کے مطابق آپ ﷺ کو عطا کیں جو اِس سورہ میں اُس نے کیے تھے اور جن کو اُس نے بدرجہ اتم پورا کیا۔ پھر حکم یہ ہے کہ اے نبی ﷺ! ہر نعمت جو اللہ نے تم کو دی ہے، اُس کا ذکر اور اُس کا اظہار کرو۔ اب یہ ظاہر بات ہے کہ نعمتوں کے ذکر و اظہار کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں اور ہر نعمت اپنی نوعیت کے لحاظ سے اظہار کی ایک خاص صورت چاہتی ہے۔ مجموعی طور پر تمام نعمتوں کے اظہار کی صورت یہ ہے کہ زبان سے اللہ کا شکر ادا کیا جائے اور اِس بات کا اقرار و اعتراف کیا جائے کہ جو نعمتیں بھی مجھے حاصل ہیں، یہ سب اللہ کا فضل و احسان ہیں، ورنہ کوئی چیز بھی میرے کسی ذاتی کمال کا نتیجہ نہیں ہے۔ نعمتِ نبوت کا اظہار اُس طریقہ سے ہو سکتا ہے کہ دعوت و تبلیغ کا حق ادا کیا جائے۔ نعمتِ قرآن کے اظہار کی صورت یہ ہے کہ لوگوں میں زیادہ سے زیادہ اُس کی اشاعت کی جائے اور اُس کی تعلیمات لوگوں کے ذہن نشین کی جائیں۔ نعمتِ ہدایت کا اظہار اسی طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ کی بھٹکی ہوئی مخلوق کو سیدھا راستہ بتایا جائے۔ اور اُس کام کی ساری تلخیوں اور تُرشیوں کو صبر کے ساتھ برداشت کیا جائے۔ یتیمی میں دستگیری کا جو احسان اللہ تعالیٰ نے کیا ہے، اس کا تقاضا یہی ہے کہ یتیموں کے ساتھ ویسے ہی احسان کا سلوک کیا جائے۔ نادار سے مال دار بنا دینے کا جو احسان اللہ نے کیا ہے، اُس کا اظہار یہی صورت چاہتا ہے کہ اللہ کے محتاج بندوں کی مدد کی جائے۔ غرض یہ ایک بڑی جامع ہدایت تھی جو اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات و احسانات بیان کرنے کے بعد اُس مختصر سے فقرے میں اپنے رسولِ مقبول ﷺ کو دی۔